AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اُردو نظم نگاری–ارتقاوروایت

Urdu Nazm Nigari – Irtiqa Wa Riwayat

خوشنود ہاشمی

پی ایچ ڈی سکالر۔رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس

شعیب الرحمٰن

پی ایچ ڈی سکالر۔رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس

ڈاکٹر محمد آصف اعوان

ڈائریکٹر ایڈوانس سٹڈیز،رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس

ABSTRACT:
Urdu Nazm holds a pivotal position in Urdu literature, serving as a dynamic medium for expressing evolutionary socio-cultural, political, and philosophical shifts. However, comprehensive analytical studies tracing its complete structural and thematic trajectory—from its early devotional roots to the modern self-autonomous free verse—remain limited in scholarly discourse. The main objective of this study is to explore the historical evolution, thematic expansion, and structural transformations of Urdu Nazm across its major developmental phases. Adopting a qualitative, descriptive, and historical-analytical research methodology, this paper critically examines literary texts, institutional movements (such as Anjuman-e-Punjab and Progressive Writers' Movement), and critical theories ranging from Nazeer Akbarabadi to post-1960 modernists. The analysis reveals that Urdu Nazm evolved from early religious/didactic forms (Quli Qutb Shah) into a socially grounded genre through Nazeer Akbarabadi, gained institutional and thematic modernization via Azad and Hali under colonial impact, and reached ideological and philosophical depth with Iqbal. Furthermore, progressive and modernist movements (Halqa-e-Arbab-e-Zouq) replaced traditional metric constraints with free verse (Nazm-e-Mu'arra and Azaad Nazm), establishing individual autonomy, symbolism, and internal subjective expression. These findings suggest that modern Urdu Nazm is an intellectually autonomous genre at par with global poetic traditions, emphasizing the need for literary scholars to study its stylistic and existential dimensions within contemporary theoretical frameworks.

Keywords: *Urdu Nazm, Literary Evolution, Anjuman-e-Punjab, Nazeer Akbarabadi, Modernism, Free Verse (Azaad Nazm).*

کلیدی الفاظ: اُردو نظم،ارتقاوروایت،انجمنِ پنجاب، نظیر اکبر آبادی،جدیدیت، آزاد نظم۔

اُردو نظم کے آغاز کا دور وہی ہے،جب اُردو میں شاعری کے آثار ملتے ہیں ان میں ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کا تعلق محققین نے آج کی نظم سے جوڑا ہے۔ ہر چند نظم یہاں اپنا الگ صنفی وجود ظاہر نہیں کرتی،اس قسم کی نظمیں ملتی ہیں جن کا موضوع مذہب ہے اور مثنوی اور قصیدے سے قریب تر ہے۔ دراصل ہندوستان میں نظم درسی وتدریسی مقصد کے لیے بھی لکھی جاتی رہی ہے۔ دکنی دور کی باقاعدہ نظم نگاری سے پہلے بھی صوفیا کے اقوال وارشادات نظم ہی کی شکل میں ملتے ہیں۔ دین کی تبلیغ و تشریح کے لیے صوفیا کرام نے مقامی زبان سیکھی،اور مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور دوسری اشکال میں نظمیں کہیں؛ان کے موضوعات مذہبی ہیں۔ مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ میں بھی ایک خاص انتظام سے اشعار لائے جاتے ہیں مگر ان سب کی اپنی الگ شناخت ہے۔

محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۵ء-۱۶۱۲ء) کے کلیات قلی قطب شاہ میں ۲۹ نظمیں ہیں۔ جن کے موضوعات عربی، فارسی اور ہندی مذہبی تہواروں سے جڑے ہیں۔ ان میں حمد، نعت، منقبت کے علاوہ اسلامی مذہبی تہواروں میں عید، عید میلاد النبی ﷺ،فارسی تہوار نوروزاور ہندوستانی تہواروں میں بسنت اہم ہے۔ تاہم اس دور

کی نظم میں حمدیہ، نعتیہ اور تہذیبی مضامین کی روایت کے پختہ نمونے ملتے ہیں۔ قلی قطب شاہ کے دور میں نظم کے موضوعات اور اشکال وہیئتوں میں تبدیلی ہوئی۔اس دور کی عادل شاہ شاہی کی "برہنی"، افضل کی "بکٹ کہانی"، شاہ راجو کی "سہاگ نامہ"، اور معاشرتی زندگی کی عکاسی میں "جلوہ"، "منہدی"، "چوگان"؛طنز ومزاح میں جعفر زٹلی کا نام اہم ہے۔اس دور میں مثنوی کے علاوہ مخمس، مسدس اور معشر کی اشکال میں نظمیں ملتی ہیں۔

اُردو میں نظم کی اصطلاح:

نظم شعری اصناف میں جمالیاتی خوبیوں کے ساتھ شعر کا ایسا مجموعہ جو ربط اور تسلسل ؛اور ایک سرگزشت پر مبنی ہو، نظم کہلاتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا نظم کے بارے لکھتے ہیں:

> "نظم کے پیکر کی خصوصیات اس کی اکائی ہوتی ہے اور نظم کا ہر مصرع اپنی مجرد حیثیت سے محروم محض ایک مرکزی خیال کی تعمیر میں صرف ہوتا ہے۔"(۱)

تاہم نظم میں پہلے مصرعے سے آخری مصرعے تک ایک ربط اور تسلسل قائم رہتا ہے۔اس میں کسی سرگزشت کی اکائی کی خصوصیت معنوی وسعت کا اتحاد بھی قائم رکھتی ہے۔صنفی اعتبار سے احتشام حسین لکھتے ہیں:

> "نظم کا لفظ جب شاعری کی ایک مخصوص صنف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ نظمیں مقصود ہوتی ہیں جن کا کوئی حسین موضوع ہو اور جن میں کوئی فلسفیانہ، بیانیہ یا مفکرانہ انداز میں شاعر نے کچھ خارجی اور کچھ داخلی دونوں قسم کے تاثر پیش کیے ہوں۔"(۲)

اُردو ادب میں نظم اپنی مکمل ہیئت اور ساخت کے صنفی حوالے، ہندوستان میں نوآبادیاتی تسلط سے روایت قائم کرتے ہیں۔ایسا نہیں کہ نظم کا آغاز اس دور میں ہوا۔اُردو نظم ارتقا سے روایت تک پچھے اہم اسفار کا تجربہ رکھتی ہے۔

ارتقا اور روایت:

صنفی اعتبار سے اُردو نظم کے عہدِ زرّیں میں ولی محمد نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء-۱۸۳۰ء) کا نام نمایاں ہے۔ نظیر اور میر محمد تقی میر کا زمانہ ایک ہے۔احمد شاہ ابدالی کے ۱۷۵۷ء کے دلی پر پُرزور حملے کی تباہی نے ہر خاص وعام کو دلی چھوڑنے پر مجبور کیا، نظیر اپنی والدہ کے ساتھ اکبر آباد آبسے۔نظیر مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔اُن کے ہاں مغلوں کے "دینِ الٰہیہ" کی تعلیمات کے سبب ہندو اور مسلم تہذیبی واخلاقی دونوں روایتوں کے موضوعات ملتے ہیں۔وہ عملی زندگی میں بھی اس کے مصداق تھے، عید اور ہولی دونوں تہواریں جوش وخروش سے مناتے، میلوں میں شریک ہوتے، اسی لیے "عوامی شاعر" کہلائے۔"حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام: نظیر اکبر آبادی" میں لکھا ہے:

> "نظیر کے تعلقات مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ یکساں تھے وہ ہندو تہواروں کو بھی اسی جوش وخروش سے مناتے تھے۔جس طرح اسلامی تہواروں کو۔"(۳)

نظیر دراصل ہندوستان کے شاعر تھے، جہاں مسلمانوں کی حکمرانی اور ہندوازم کی تہذیب کے نقش گہرے ہیں؛اس میں جلال الدین اکبر کے بین المذاہبی انتشار سے معاشرتی اور مذہبی حالات تیزی سے بگڑنے لگے۔ابدالیوں کے حملے سے جاٹوں اور بلوایوں کو جگہ ملی، اکبر آباد (آگرہ) بھی متاثر ہوا۔معاشی ابتری کے سبب، نظیر بیس بائیس سال کی عمر میں اکبر آباد (آگرہ) میں معلمی کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔"حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام: نظیر اکبر آبادی" میں لکھا ہے کہ:

> "نظیر نے اپنے لیے پڑھانے کا پیشہ پسند کیا۔کچھ دنوں متھرا میں لڑکوں کو پڑھاتے رہے اور کچھ عرصے آگرے میں بھی معلم رہے۔"(۴)

انھوں نے معاشرتی وسماجی زندگیوں کو مرثیہ ومثنوی کی مخمس، مسدس اور مثنوی کی اشکال میں موضوع بنایا اور خوب شہرت پائی۔نظم میں ڈرامائی مکالمہ نگاری، مرقع کشی اور فطرت کے مظاہر کو رواج دیا۔ان کے ہاں سیاسی، معاشرتی انتشار، سماجی اور تہذیبی حالات کی منظرکشی پائی جاتی ہے۔ان کی نظموں میں "آدمی نامہ"، "ہنس نامہ"، "بنجارہ نامہ" علامتی اور استعاراتی بیانیہ رکھتی ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ اُردو نظم میں جدت اور نئے تقاضوں اور تجربات کو برتنے والا پہلا شاعر نظیر ہے تو بجا

ہو گا۔ صنفی اعتبار سے آج نظم جہاں قائم ہے دراصل یہ نظیر کے ارتقائی مرحلوں سے گزر کر روایت بنتی ہے۔ نظیر اور اس کے معتقدین میں شہر آشوب کی صنفی حالت ملتی ہے، جس نے زیادہ شہرت نہیں پائی۔ ان کے عنوانات میں "روٹی"، "مفلسی"، "پیٹ"، "کوڑی"، اور ان کے علاوہ اخلاقی موضوعات میں "خوشامد"، تندرستی"، "بنجارا" تواتر سے تقلید ہوئے ہیں۔

نظیر کی نظم میں عصری وقعت اور قدر پائی جاتی ہے۔ "دینِ الٰہیہ" کے زیرِ اثر نظیر نے ہندوستانی مذاہب کے عبادتی موضوعات برتے ہیں۔ مسلمانوں کے تہواروں میں "شبِ برات"، "عید الفطر"، "عید"، اور ہندو تہواروں میں "بسنت"، "ہولی"، "دیوالی" کے موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ نظیر کے ہاں نظم میں زندگی کے ارتقائی موضوعات ہیں۔ "بچپن"، "جوانی"، "بڑھاپا" اور پھر موت کی منازل پر "کل نفس ذائقۃ الموت" کے عنوانات سے زندگی کے اخلاق کی فطری حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔ نظیر نے اُن مذہبی عقائد کو موضوع بنایا جو آفاقی حقیقت کے حامل ہیں۔ جن کے شواہد ہندوازم سے بھی ملتے ہیں۔

ان نظموں کے علاوہ نظیر کے ہاں فطری منظر کشی کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ جہاں نظیر نے مشاہدے کو اُمید، رونق اور بہار سے عبارت کیا ہے۔ نظیر کے ہاں ڈرامائی شکل ہر طور نمایاں رہتی ہے لیکن جب وہ فطرت کو قلم بند کرتے ہیں تو بنجارے کی طرف نہیں جاتے۔ ان کی ہاں "برسات کی بہاریں"، "برسات اور پھسلن"، "جاڑے کی بہاریں" کے عنوانات ملتے ہیں۔ نظم "برسات کی بہاریں" کا بند دیکھیے، جہاں منظر کشی کی جزئیات تک نمایاں ہیں:

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں(۵)

نظیر نے اُردو مثنوی، مرثیہ کی روایت سے نظم کی صنفی حیثیت نمایاں کی اور نئے موضوعی، ہیئتی اور معروضی تجربات کیے۔ اس دور میں نظیر کی نظم نئی تھی کیوں کہ یہ تقلیدی عناصر کے بجائے نئے راستے اور عصری زندگی رکھتی ہے۔ یہ دور نظیر کا ہے جس میں نظم مثنوی، مرثیہ سے الگ شناخت واضح کرتی ہے۔ یہاں نظم خود کو موضوعی اور معروضی اعتبار سے متعارف کرواتی ہے۔ نظم میں نظیر کی حیثیت واضح ہے کہ نظیر نے اُردو نظم کے ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا ہے لیکن یہاں نظم روایت قائم نہیں کرتی۔ اس کی وجہ غزل کی بادشاہی ہے۔

اُن کے متاثرین میں غیر معروف شعرا کے نام لیے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد چند ہے، "فضلِ حق" نے مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو) بہ عنوان "اُردو نظم کا تحقیقی جائزہ" میں دو غیر معروف شاعروں (غلام حسن خورمؔ اور حسینیؔ)(۶) کا ذکر کیا ہے۔ خورمؔ لاہور کے رہنے والے تھے، ان کی "چاندنی"، "ہولی"، "روٹی" غیر مطبوعہ نظموں کا ذکر ہے۔ دوسرا شاعر حسینیؔ تخلص رکھتا ہے مگر احوال و آثار معدوم ہیں۔ ایک دیوان ہے جس میں غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ فضلِ حق نے ذکر کیا ہے:

"حسینیؔ تخلص کا شاعر کا مطبوعہ دیوان انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔۔۔"(۷)

خورمؔ اور حسینیؔ کے ہاں موضوعات اور نظم کی اشکال نظیر کی پیروی میں ہیں۔ اس عرصہ میں ہندوستان پر مذہبی تحریکوں کا اثر رہا، علمی و عملی میدان میں علما نظر آتے ہیں اور یہ ہندوستان میں برطانوی مداخلت کا اولین دور ہے۔ نظم نے اخلاقی مضامین سے آگے بڑھ کر مضمون کی سطح کو بدلا۔

ہندوستان میں برطانیہ کا عمل دخل بڑھا۔ اُردو میں نئی نثری اور شعری اصناف در آنے لگیں۔ تعلیم کے نظم وضبط کے لیے کلکتا ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی گئی، جس کا مقصد برطانوی بیوروکریسی کو ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب کی تعلیم فراہم کرنا تھا؛ انتظامیہ کالج نے ہندوستانی ادب کو ایک معیاری زبان میں نصاب کا حصہ بنانا تھا، تاہم ایسے اردو کے شاعروں وادیبوں کو جمع کیا، جو نصاب کی تیاری میں تخلیقی تشکیل کا انتظام سنبھالیں۔ نثری اور شعری اصناف کے لیے الگ الگ کتابیں لکھوائی گئیں۔ اس وقت تک اُردو کی شعری زبان خاصی ترقی کر چکی تھی، صنفی اعتبار سے اب تک غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ کی معتبر روایت اور فکری اعتبار غالبؔ کے مسئلے اور فلسفے، مومن خاں مومن کی شوخی وندرت کی روایت قائم کر رہی تھی تاہم شاعری کے بجائے نثری عبارت پر توجہ دی گئی۔ اس غرض سے خود جان گل کرسٹ نے "قواعد اردو" لکھی۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

برطانوی نوآبادکاری کا سلسلہ ہندوستان کو تاریخ کے ایک نئے موڑ پر لے آیا۔۱۸۵۷ء کی جنگ نے ہندوستانیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مزاحمت کے بجائے مفاہمت کا راستا اختیار کیا۔ مسلمانوں میں سرسید نے نئے علوم وفنون کو اپنانے کی عملی کوششیں شروع کیں اور ہندوؤں میں راجارام موہن رائے اہم ہیں۔

اُردو نظم میں نئے طرز کی تحریک نوآبادیاتی آئیڈیالوجی سے رواج پاتی ہے۔انگریزنے مکمل طور پر ہندوستان پر حکمرانی کا سکہ مسلط کر دیا۔درسی نظام تعلیم میں نصابی اور ہم نصابی تبدیلیاں کیں۔ آگے چل کر جس سے مسلمانوں میں مروجہ نظامِ تعلیم متاثر ہوا اور مغربی علوم وفنون کی حوصلہ شکنی کی گئی لیکن سرسید کی تحریک سے مسلمانوں نے جدید علوم وفنون کی تعلیم کے لیے مغرب کے سفر بھی کیے۔

دِلّی ۱۸۲۸ء دِلّی کالج کی بنیاد رکھی گئی، جس نے مقامی لوگوں کی تعلیم وتربیت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔دِلّی والوں نے انگریزی علوم وفنون میں زیادہ دل چسپی نہ لی۔۱۸۶۴ء تک سرسید کی تحریک مسلمانوں کو جدید تعلیم کے لیے قائل کر چکی تھی۔ انھوں نے "سائنسی سوسائٹی برائے مسلمانان" کی بنیاد رکھی اور یورپیوں نے پنجاب تک تسلط جمالیا تھا،قدیم دلی کالج کے زوال کے ساتھ ہی انگریزنے لاہور ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ کالج کی بنیاد رکھی۔ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "جدید اردو شاعری کا بیج اس وقت سے بارور ہونا شروع ہو گیا تھا جب قدیم دلّی کالج کا شیرازہ بکھر گیا اور اسے لاہور منتقل کرنے کے بعد گورنمنٹ کی تحویل میں دے دیا گیا۔"[۸]

جس سے پنجاب میں انگریزی تعلیم وتربیت کا رواج عام ہونے لگا۔اس ادارے نے نصابی اور ہم نصابی اصلاحات کیں۔طلبہ کی کردار سازی اور طریقہ تدریس کی جدید اصلاحات قابل ذکر ہیں۔جہاں اردو ادب نے ایک نیا دور دیکھا۔انگریزوں نے انگریزی ادب کی بہت سی اصناف کو اردو میں رواج دینے کی کوششیں کیں۔اردو کے مشاہر ادب نے بھی مغربی ادب کو رواج دینے کی کوششوں میں بھرپور حصہ ڈالا۔جن میں بلند پایہ نام محمد حسین آزادؔ(۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) کا ہے۔

دراصل اس زمانہ میں پنجاب کے مدارس میں اردو کتب پڑھائی جاتی تھیں؛انھیں دیکھ کر لیفٹیننٹ گورنر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اردو میں مغربی طرز کی نظمیں بالکل نہیں،اس لیے ایسی نظمیں لکھوائی جائیں جو نصاب میں شامل کی جاسکیں۔چنانچہ کرنل ہالرائڈ(ناظم تعلیمات) نے آزادؔ کو اس کے لیے منتخب کیا۔مشاعروں کو شروع کرنے کے لیے اپریل ۱۸۷۴ء کو ایک جلسے کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔اس جلسے میں آزاد نے ایک لیکچر دیا،جو "نظم آزاد" کے دیباچے کے طور پر شامل ہے۔اس میں انھوں نے نئے موضوعات پر نظمیں لکھنے پر اکسایا اور نمونے کے طور پر ''رات کی حالت'' پڑھ کر سنائی اور پھر دس مزید مشاعرے منعقد ہوئے۔رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

> "Muhammad Hussain Azad founded a literary society which held literary contest every month at the premises of Anjuman -i-Punjab. The object of their reunions was to direst Urdu poetry of exaggeration and excessive love and Metaphors." [۹]

اس دور میں برطانوی ادب میں رومانویت کا غلبہ تھا،نوآبادکاریوں نے اسی تحریک کے زیر اثر انجمن پنجاب میں ایسے موضوعات مد نظر رکھے جو فطرت کے تخیلاتی مشاہدے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان نظموں کے موضوعات میں فطرت اور مظاہر فطرت کو موضوع بنایا جاتا اور اس کے علاوہ اخلاقی مضامین کو بھی نظم میں بیان کیا جاتا۔ان مشاعروں کے لیے پہلے سے عنوان تجویز کیے جاتے، جن کا تعلق فطرت سے ہوتا تھا۔ان کا مقصد اردو ادب میں بھی فطری شاعری کو رواج دینا تھا تاہم ان میں برسات،زمستان،امید،حبِ وطنی،امن،انصاف،قناعت کے عنوانات سرفہرست ہیں۔ان مشاعروں میں اپنا کلام پیش کرنے والوں میں محمد حسین آزادؔ،الطاف حسین حالیؔ،ذوقؔ کاکوروی،انور حسین ہما،مولوی قادر بخش،مضطر دہلوی،عطاء اللہ عطا،الٰہی بخش،انور حسین، فصیح الدین،اور فیض کے نام نمایاں ہیں۔یہ مشاعرے شاعری میں مبالغہ،تصنع،لفاظی اور بے جا استعارہ نگاری کے خلاف ایک واضح ردِ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔صنفی اعتبار سے آزادؔ نے قدیم اصناف میں نئے تجربے کیے اور مثنوی کے امکانات کا دائرہ وسیع کر دیا۔آزادؔ نے مثنوی کی بحور میں تنوع کا لحاظ رکھا اور بندوں کی تشکیل ایک نئے انداز سے پیش کی،اشکال کے لحاظ سے آزادؔ کی آخری عطا یہ ہے کہ انھوں نے اردو نظم میں ردیف وقافیہ ترک کرنے کا تجربہ بھی کیا۔ان کی نظم "جغرافیہ طبی کی ایک پہیلی" اردو کی اولین معریٰ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

اس دور کی نظم نے جدید نظم کے سفر میں کلیدی کردار ادا کیا۔اسی دور سے نظم میں جدت اسلوب اور روایتی تقاضوں سے بغاوت اور نئے تجربات کی آواز بلند نظر آتی ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اس کی بڑی وجہ نظیر کے بعد اس صنف کا ترکِ استعمال بھی ہے کیوں کہ نظیر کے بعد آزادؔ ہی نے اسے پھر سے رواج دیا،ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"نظیرا کبر آبادی نے اردو نظم کا ڈھانچہ مرتّب کیا تھا اسے ارتقا کی اگلی منزل تک آزاد نے پہنچایا۔"(۱۰)

آزاد کے پاس نظموں کا سرمایہ انجمن کا تحریکی ہے لیکن مولانا الطاف حسین حالؔی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) نے انجمن کے علاوہ بھی نظمیں کہیں۔ حالؔی نے موضوعات کی تبدیلی اور نئے خیالات سے اردو نظم کو جدیدیت کی راہ پر ڈال کر اسے نئی شاعری کا امتیازی نشان بنا دیا۔ حالؔی، مرزا اسداللہ خان غالؔب کی وفات (۱۸۶۹ء) کے بعد لاہور آئے اور آزاؔد کے ساتھ انجمن کے لیے کام کرنے لگے۔ سرسید کی تحریک نے حالؔی کو خوب متاثر کیا تھا، انھوں نے حقیقت پسندانہ اور نیچری رویہ اختیار کیا اور نظم کے موضوعات میں وسعت پیدا کی۔ ان کی نظموں کے موضوع قومی، اخلاقی، تعلیمی، سیاسی و معاشرتی اور مذہبی و اصلاحی ہیں۔ ان کے عنوانات میں "مدوجزرِ اسلام (مسدسِ حالی)"، "برکھارت"، "نشاطِ امید"، "حبِ وطن"، "مناظرۂ رحم وانصاف"، "مناجاتِ بیوہ"، "چپ کی داد" اور "بیٹیوں کی نسبت" اہم ہیں۔ حالؔی نے نعتیں بھی کہیں اور طویل نظم کی بنیاد ڈالی۔ "قوم کی پاسداری" کے چند اشعار دیکھیے:

ایک مسلماں خاص انگریز پر تھا یوں نکتہ چیں
پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہلِ ملک کو
گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
کارخانہ کا یہ را جس کے کبھی چاقو نہ لیں
اس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزیں جو یاں سی لینی پڑتی ہیں انھیں
اُن کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر(۱۱)

حالؔی منظر کشی اور کرداروں کے استعارتی پہلوؤں کو خوب استعمال کرتے ہیں۔ واقعے کی جزئیات کو بھی سمیٹ لیتے ہیں۔ ان کے موضوعات روایتی ہیں مگر مشاہدے کی آنکھ حقیقت اور سائنسی فکر پر مبنی ہے۔ خاطر غزنوی لکھتے ہیں:

"حالی سے پہلے اردو شاعری میں ایک فرد کے دکھ درد اور مسائل کا تذکرہ ہوتا تھا۔ حالی نے اس محدود انفرادی شعور کو وسعت دی اور اس اکائی کے چکر سے نکل کر شاعری میں اجتماعی شعور ابھارا۔ فرد کی محدود دنیا سے نکل کر قوم کے اجتماعی دکھ درد اور اصلاح و ترقی کی طرف دھیان دیا اور یوں پہلی مرتبہ اردو ادب میں غم ذات کو غم کائنات کا درجہ بخشا۔"(۱۲)

اس دور میں مولانا اسماعیل میرٹھی (۱۸۴۴ء-۱۹۱۷ء) کا نام نمایاں ہے۔ آپ نے نظم کے روایتی موضوعی اور معروضی پابندیوں کو توڑ کر نئی ہیئت اور شکل کو رواج دیا۔ ان کی نظموں کے موضوع اخلاقی اور تعلیمی ہیں۔ مولانا تمام عمر درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ اس وقت تک ہندوستان میں مغربی نظام تعلیم رواج پا چکا تھا اور اُردو زبان و ادب کے نصاب کو باقاعدہ طور پر منظم کیا جا رہا تھا۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم کے نصاب میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔

مولانا نے ذہنی سطح کو مدِ نظر رکھ کر نظمیں کہیں۔ جن میں بچوں کی نظمیں خاص ہیں۔ ان میں "ہوا چلی"، "ساون کی جھڑی"، "اسلم کی بلی"، "موعظت"، "بخیل اور فضولی"، "ایک وقت میں ایک کام"، "سچ کہو"، "ایک جگنو اور بچے کی باتیں"، "تھوڑا تھوڑا مل کر بہت ہو جاتا ہے"، "ملمع کی انگوٹھی"، "ناقدر دانی"، "بچہ اور ماں"، "ماں اور بچہ"، "ایک لڑکا اور بیر"، اور "ایک پودا اور گھاس" اہم ہیں۔ ان نظموں میں شاعر نے بچوں کی نفسیاتی عمر کے تقاضوں کو خوب نبھایا ہے۔ نظموں پر انگریزی رنگ نمایاں ہے اور اکثر انگریزی شاعروں کے ترجمے ہیں۔ ان کے موضوعات اخلاقی ہیں اور رومانوی استعارہ سر چڑھ کے بولتا ہے۔ مولانا کی کئی نظمیں اب بھی انڈو پاک کے نصاب کا حصہ ہیں۔

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بچوں کے لیے لکھی گئی نظم "ایک وقت میں ایک کام" کے چند اشعار دیکھیے، جہاں بچوں کی تربیت کے لیے نصیحت کا انداز نمایاں ہے:

ہے کام کے وقت کام اچھا
اور کھیل کے وقت کھیل زیبا
جب کام کا وقت ہو کرو کام
بھولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام
ہاں کھیل کے وقت خوب کھیلو
کودو پھاندو کہ ڈنڈ پیلو(۱۳)

مولانا عبدالحلیم شررؔ (۱۸۶۰ء-۱۹۲۶ء) نے جدید اسلوب اور جدید ہیئت کو رائج کرنے کے لیے باقاعدہ تحریک کی بنیاد رکھی۔ شرر کی محبوب صنف ناول و ڈراما ہے۔ انھوں نے ڈرامے کو بھی شاعری کے انداز میں لکھا۔ ان کا نمایاں کام "مظلوم ورجینا" ہے جو منظوم ڈراما نظم معریٰ میں لکھا۔ شررؔ نے اردو نظم کو جدید ہیئت سے ہم کنار کیا۔

یہ دور دراصل اردو نظم کی روایت کا دور ہے، جہاں اُردو نظم کو رواج عام ملتا ہے۔ ہر چند یہاں نظم کو سیاسی سرپرستی حاصل ہے لیکن شعرا نے کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ آزادؔ و حالیؔ کی کوششوں نے نظم کو ایک نیا راستہ دیا۔ شعرا کی ایک بڑی تعداد نظم کی طرف راغب ہوئی۔ حالیؔ کی یہ روایت انجمن کے مقاصد کے حصول سے بڑھ کر نتائج مرتب کرتی ہے۔ اس کا اثر نظم کے اگلے ادوار میں بھی واضح رہتا ہے۔ انھوں نے اُردو نظم کو انگریزی نظم کے مدمقابل لانا چاہا مگر یہاں صرف بیانیہ اور خارج کی ظاہری منظر کشی ہے، نظم داخلی رازوں سے ناواقف نظر آتی ہے۔ فنی حوالوں سے یہاں نظم پابند سے آزاد ہو کر معرا کی شکل اختیار کرتی ہے لیکن اس دور کی معرا رواج نہیں پاتی۔ دراصل انگریزی ادب میں نثر کے مدمقابل نظم کو رکھا جاتا ہے جب کہ اُردو ادب میں نثر کے مقابل شعر کو رکھا جاتا ہے، وہ شعر غزل کا بھی ہو سکتا ہے، مثنوی، مرثیہ یا نظم کا بھی۔ تاہم اُردو نظم وہ التزام قائم نہ کر سکی جو اس وقت تک انگریزی نظم کر چکی تھی۔ اُردو نظم نے فنی اعتبار سے اپنے عروضی نظام کو سامنے رکھا اور فکری اعتبار سے جدید زاویوں اور فکروں کو جگہ دی۔

انگریز کی مداخلت سے ہندوستان کا تدریسی نظام بدل گیا۔ انجمن نے نصابی ضرورت پوری کی۔ اس کے علاوہ شعرا نے انجمن کے مضامین کو موضوع بنایا ہے۔ جس سے نظم میں ہر طرح اور ہر سطح کے موضوع کی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ تدریسی نصاب میں ابتدائی، ثانوی و اعلیٰ درجہ جماعتوں کی سطح کو مدنظر رکھا گیا۔ اس حوالے سے اس دور میں اکبر، حالی، اسماعیل میرٹھی کی نظمیں اہم ہیں۔

محمد اقبالؔ لاہوری (۱۸۷۷ء-۱۹۳۶ء) ۱۸۹۵ء میں بی اے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور آئے۔ "انجمن کشمیری مسلمان" کے مشاعروں کا حصہ بنتے اور یہاں اقبالؔ نے ۲۵ اشعار پر مشتمل نظم "فلاح قوم" سنائی۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ سے متاثر ہوئے اور ایم اے فلسفہ کا امتحان مارچ ۱۸۹۹ء میں پاس کیا۔ مئی ۱۸۹۹ء کو اورینٹل کالج کے میکلوڈ عربک ریڈر کے طور مقرر ہوئے۔ اسی سال انجمن حمایت اسلام کے رکن منتخب ہوئے۔ انجمن کے جلسوں میں نظمیں سناتے، ۱۴ فروری ۱۹۰۰ء کو پندرہویں سالانہ جلسے میں "نالہ یتیم" سنائی۔ اس وقت تک اُردو میں نظم کی روایت پختہ ہو چکی تھی۔ اقبالؔ نے ماہ نامہ "مخزن" کے لیے لکھنا شروع کیا، جو ایک ادارے کے طور کام کر رہا تھا۔ اس ضمن خلیل الرحمان اعظمی لکھتے ہیں۔

> "شرر نے جدید نظم نگاری کی جو تحریک شروع کی تھی وہ آگے چل کر سر عبدالقادر کے "مخزن" کے ذریعے پروان چڑھی۔ اپریل ۱۹۰۱ء میں "مخزن" کا پہلا شمارہ شائع ہوا جس کے اغراض و مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا:
> انگریزی نظموں کے نمونے پر طبع زاد نظمیں، انگریزی نظموں کے بامحاورہ ترجمے شائع کرنا تاکہ متقد مین کی تقلید کرنے والے جدید مذاق سے آگاہ ہوں۔"(۱۴)

اقبالؔ اس وقت انگریزی کے معلم تھے۔ "مخزن" کے پہلے شمارہ میں اقبال کی نظم "ہمالہ" بھی شائع ہوئی۔ یہ دور مغربی ادب سے متاثر ہونے کا تھا، جب اقبال انگریزی ادب کے فن پاروں کے اردو میں تراجم بھی کر رہے تھے۔ جن میں ٹینی سن، ایمرسن، لانگ فیلو اور ولیم کاؤپر وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس دور کی طبع زاد نظموں میں

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مغرب کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔اقبال کے علاوہ اس عہد میں انگریزی ادب کے تراجم کرنے والوں میں عزیز لکھنوی، حسرت موہانی، احسن لکھنوی، سید محمد کاظم حبیب کشوری، ضامن کنتوری، حافظ محمود خاں شیرانی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

اقبال ۱۹۰۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے۔اقبال ۱۹۰۸ء میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری اور لنکزان سے بیرسٹری کی ڈگری لے کر لاہور پہنچے۔سفر مغرب کے دوران آپ کے افکار و خیالات میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔واپس آ کر اقبال نے وکالت شروع کی اور گورنمنٹ کالج، لاہور میں عارضی طور پر فلسفہ یکم مئی ۱۹۰۹ء سے ۳۱۔دسمبر ۱۹۱۰ء تک پڑھایا۔

اس دوران آپ انجمن حمایت اسلام کے علاوہ وکالت اور تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والے شعری مجموعے "بانگِ درا" کی نظمیں بھی کہیں۔جس کے حصہ اول میں رومانوی نظمیں ہیں، جو انگریزی ادب کے ترجمے اور رومانوی انداز کی ہیں۔ان میں "ہمالہ"، "گل رنگیں"، "عہد طفلی"، "مرزا غالب"، "ابر کوہسار"، "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک گائے اور بکری"، بچے کی دعا"، "ہمدردی"، "پرندے کی فریاد"، "شمع" اور "ایک آرزو" وغیرہ خاص اہمیت رکھتی ہیں۔اقبال کی ابتدائی نظم کے متعلق ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"اقبال کی ابتدائی نظم نگاری میں فطرت ان کا دل پسند موضوع ہے۔اور یہ انجمن پنجاب کی اس تحریک کی توسیع ہے جسے آزادؔ اور حالیؔ نے چند سال قبل فروغ دیا تھا۔"(۱۵)

"ہمالہ" سے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جو اُردو نظم کی روایت میں رومانویت کی عمدہ مثال ہے:

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کنجِ خلوت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا(۱۶)

حصہ سوم کی نظموں میں خاص فکری تبدیلی رونما ہوتی ہے۔نظم پر مذہبی ملی فکر کے اثرات نظر آتے ہیں۔جن میں "بلاد اسلامیہ"، "ترانہ ملی"، "وطنیت"، "شکوہ"، "جواب شکوہ"، "خطاب بہ جوانانِ اسلام"، "فاطمہ بنت عبداللہ"، "مذہب"، "شب معراج"، "خضر راہ"، "اور ""طلوع اسلام" اہم ہیں۔یہاں اقبال وطن کے بجائے ملت کا درس دیتے ہیں۔وطنیت میں اقبال نے نو آبادکاریوں کی فکر کو یوں مذہبی فکر کے مدمقابل رکھا ہے:

ان تازہ خداوں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے(۱۷)

اقبال کا دوسرا شعری مجموعہ ۱۹۳۵ء میں "بالِ جبریل" کے نام سے شائع ہوا۔بال جبریل کے حصہ منظومات میں مفکرانہ پہلو بیان کیے گئے ہیں۔یہاں اقبال اپنی فکر پختگی کے ساتھ نظم کہتے ہیں۔"مسجدِ قرطبہ" داخلی واردات سے بھری ایک تاریخی تصویر ہے۔اقبال سرمایہ دارانہ خیال کی نفی کرتے ہیں۔اقبال کی نظم کے موضوعات عالمی فکر و ادب سے ٹکراتے ہیں۔انھوں نے نظریہ سازوں کو داخلی مہموں سے موضوع بنایا اور شاعری میں نئے خیالات کو رواج دیا۔

اقبال کی نظمیں اپنی الگ شناخت رکھتی ہیں۔"شکوہ، جواب شکوہ"، "مسجدِ قرطبہ"، "ساقی نامہ"، "ابلیس کی مجلس شوریٰ"، اور "والدہ مرحومہ کی یاد میں" فکری و فنی اعتبار سے نظم نگاری میں اہم مقام اور روایت رکھتی ہے۔اقبال کی نظموں میں ڈرامائی انداز خاص ہے۔اقبال کی فنی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر مظہر حامد لکھتے ہیں:

"اقبال کے فن کی وہ خوبیاں جو تقلید کا سامان مہیا کرتی ہیں، وہ شاعری میں مختلف جہتیں ہیں مثلاً تضمین و ترکیب لفظی، عروضی نظام، تصوف، تلمیحات و اشارات، صوتی نظام، لفظ و معنی کا ارتباط، فلسفیانہ آہنگ، متصوفانہ رنگ، جس میں خودی و بے خودی، عقل و عشق، نظریہ انسانِ کامل سکون و سکوت، ترمیماتِ اقبال، ان تمام امور کو اسلوبیاتِ اقبال میں دیکھا جا سکتا ہے۔"(۱۸)

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نظم کے فنی اعتبار میں اقبال پابند نظم کے شاعر ہیں۔ یہ وہی روایت ہے جس کی بنیاد آزاؔ وحاؔلی نے ڈالی تھی۔ اس کی چھاپ ان کے ہم عصروں میں واضح دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے مسائل کو بھی موضوع بنایا اور ان کے لیے اصلاحی و تعمیری رویہ اختیار کیا۔ آج جدید نظم جہاں خود کو واضح کرتی ہے، اس میں اقبال جدید نظم کے وہ ستون ہیں جن پر آیندہ نظم کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کی کئی نظموں کے تراجم کئی زبانوں میں ہوئے۔ اقبال کی نظم سے اُردو میں نظم کا رواج عام ہوا۔ بہت سے غزل گووں نے نظم کہنا شروع کی اور غزل گووں نے نظمیہ غزلوں کو رواج دیا۔ اس روایت میں مولانا حسرت موہانی (۱۴ اکتوبر ۱۸۷۵-۱۳ مئی ۱۹۵۱ء) کی غزلیں نمایاں ہیں۔

اقبال کے معاصرین میں خوشی محمو ناظرؔ، پنڈت برج نرائن چکبستؔ، مولانا ظفر علی خان، غلام بھیک نیرنگ، سیمابؔ اکبر آبادی، تلوک چند محرومؔ، دتاتریا کیفیؔ، درگا سہائے، سرور جہاں آبادی، نظم طباطبائی، مولوی وحید الدین سلیم اور عظمت اللہ خان قابلِ ذکر ہیں۔ ان شاعروں بالخصوص اقبال نے نظم میں رومانی رجحان کو جگہ دی۔ تاہم انھیں محرکات کے سبب اُردو نظم میں رومانوی رجحان کا تسلسل قائم ہوا۔ عظمت اللہ خان اور محمد داود خان اختر شیرانیؔ کی نظموں سے اُردو میں رومانوی روایت قائم رہتی ہے۔ اختر شیرانی کی نظم کے موضوعات تخیل اور جذبے سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے داخلی زور پر خارج کی جانب مراجعتی قدم بھرا۔ نظم کی ہیئت اور جہت کو نئے راستے دکھائے۔

اقبال تک اردو نظم گہرے قدم جما چکی تھی۔ اوّل اوّل اقبال کی نظم کا رنگ رومانوی ہے۔ جو انجمن کا بکھرا ہوا رنگ ہے مگر اقبال نے خارج کے بیانیے کو داخلی قوتوں سے مستحکم کیا۔ جس سے نظم میں احساس وجذبے کی کیفیت نمودار ہوئی۔ بقول ڈاکٹر اعوان: بعد ازاں اقبال کی نظم کو اکبرؔ کی حقیقت پسندی اور رومیؔ کے عشق اور مغربی مفکرین کے فلسفوں نے آگھیرا۔ اس وقت اقبال کے پیشِ نظر ہندوستان کے حالات وواقعات بھی تھے اور اقبال عالمی سیاست، معاشرت اور ادب سے خوب آگاہ تھے تاہم اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کا نوحہ بیان نہیں کیا بلکہ ملتِ اسلامیہ سے وابستہ کر کے اس کی عالمی ادب میں جگہ بنائی۔ اقبال اُردو نظم کی روایت میں پہلے شاعر ہیں جن کی اپنی زندگی ہی میں کئی نظمیں عالمی شہرت کی حامل ہوئیں۔ اقبال نے نظم کے اظہار سے اپنے تصورات وخیالات کو واضح کیا، امتِ مسلمہ کے مسائل کو بیان کیا اور ان سے نکلنے کے راستے بھی فراہم کیے۔ اقبال کے تصورات میں خودی، بے خودی، عشق، ملت اور مرد مومن خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تصورات کے ضمن میں اقبال کے کلام میں ایسے نشان (Sign) نمایاں ہوتے ہیں جو ان کی فکر کی سمت طے کرتے ہیں۔

اقبال کی تحریک نے نظم کو نئے راستے دیے جس سے آگے چل کر اُردو نظم نے بے بہا استفادہ کیا۔ اقبال کے زمانے میں شیخ عبد القادر کا رسالہ "مخزن" بھی ایک مکمل تحریک اور اداراتی شکل رکھتا ہے۔ ہر چند اس نے آزادؔ وحالیؔ کی تحریک کو آگے بڑھایا، انگریزی تراجم کے ذریعے اُردو میں رومانوی استعارے کو صحیح معنوں میں متعارف کروایا۔ اس کے آثار "مخزن" کی اشاعت تک محدود نہیں بلکہ بعد کے نظم نگاروں نے اس کی تقلید میں خاصا وقت لیا۔

اقبال کے دور کا رومانوی رنگ "مخزن" کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ "مخزن" کی مغربی ترجمے کی روایت نے اُردو شعرا کو نئے موضوعاتی نظام سے متعارف کرایا ہے۔

۱۹۳۵ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوتا اور یہ اُردو ادب کی اولین تحریک قرار پائی، جس کے لیے باقاعدہ منشور وضع کیا گیا۔ اس تحریک سے جہاں اُردو نظم فکر کے نئے تجربات کا اضافہ کرتی ہے وہیں فنی اعتبار سے نظم معرا، آزاد نظم اور سانیٹ کے نئے تجربات بھی کرتی ہے۔ ڈاکٹر عنوان چستی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"شاعری کے دائرہ میں بھی، دو سطحوں پر تبدیلیاں رونما ہوئیں ایک جدید ہیئتوں اور نئی روایتوں کی شکل میں دوسرے قدیم اصناف میں نئے تجربوں کی صورت میں، پہلی سطح پر صوتی قوافی، مصرعہ کا نیا تصور اور ان کا تنوع، استینزا فام کے تحت بندوں کی نئی تشکیل، نظم معریٰ کا نیا تصور نظم اور دیگر اثرات نمایاں ہیں۔"(۱۹)

ترقی پسندوں کے ضمن میں جوش ملیح آبادی کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے نظم میں باغیانہ اور انقلابی لہجہ اختیار کیا۔ ان کی نظموں میں "غلاموں کی بغاوت"، "ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام"، "نظامِ نو"، "انسانیت کا کورس" نمایاں ہیں۔ جوشؔ کے انقلابی لب ولہجہ کے متعلق انور سدید لکھتے ہیں:

"بلاشبہ جوش کا تصورِ انقلاب ہندوستان کی غلامی کے ردِ عمل میں پروان چڑھا تھا تاہم ان کے ہاں انقلاب کا واضح تصور موجود نہیں۔ وہ فرد کو موجود نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا مشورہ تو دیتے ہیں لیکن اس بغاوت کی جہت متعین نہیں کرتے۔"(۲۰)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"شکست زنداں کاخواب" میں جوشؔ کے باغیانہ اور آزادی پسندانہ لہجے کو دیکھیے، ہر چند یہ بغاوت اور آزادی کی آواز سامراجی طاقت کی مزاحمت میں ہے:

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
دیواروں کے نیچے آ آکر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں
بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں [۲۱]

جوشؔ کی بغاوت وانقلاب کی جہتوں کو فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۱ء-۱۹۸۴ء) نے متعین کیا۔ فیض احمد فیضؔ خاص حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ فیضؔ اشتراکی نظام کے خواہاں فکر کے کیمونیسٹ تھے۔ اس دور میں برطانیہ کی عالمی طاقت کمزور ہو رہی تھی۔ فیضؔ کی نظموں میں رومانوی اور انقلابی لہجہ ملتا ہے۔ وہ کلاسیکی استعاروں، تشبیہوں کو عصری حسیّت عطا کرتے ہیں۔ ان کی انقلابی روح عشق سے پیوست ہے۔ وہ عشق والفت کے راگ الاپتے ہوئے سماجی ناہمواریوں اور ظلم وستم کی داستانوں کو ایک ساتھ رقم کرتے ہیں۔ فیض وہ شاعر ہیں جنھیں اپنی عمر ہی میں بہت پذیرائی ملی۔ فیضؔ کا مغربی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا جس کے زیرِ اثر انھوں نے زندگی کے حقائق اور اس کی تلخیوں اور رنگینیوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ماضی کی تنزیل پذیر تہذیب شان وشوکت اور عیش وسرمستی کے غم کا اظہار انھوں نے اپنی نظموں میں کیا ہے۔

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
نیم تاریک راہوں میں مارے گئے [۲۲]

ترقی پسندوں کے دور آغاز میں ہندوستان کی آزادی اور عالمی قوتوں کی سمتیں طے ہو رہی تھیں۔ ذرائع ابلاغ عام ہو رہے تھے۔ ہندوستان والے بھی عالمی سیاسی سرگرمیوں سے متاثر ہوئے اور ان کا اثر قبول کیا۔ کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء) اور روسی مفکرین کے نظریات نے ہندوستان کے مفکرین کو متاثر کیا۔

اس تحریک میں محی الدین مخدوم، نثار اختر، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی اور احمد ندیم قاسمی کے نام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اُردو نظم مغربی رجحان سے باقاعدہ متاثر ہوتی ہے، نظم گو نظم کے روایتی عروضی نظام کو یکسر مسترد کرتے ہیں اور نئی اشکال کو جنم دیتے ہیں۔ نظم کے ہیئتی معیار کی تعمیر کرتے ہیں۔ ترقی پسندوں نے ادب کی نئی تشکیل میں خاصا کام کیا۔ ادب کو حسن وجمال کی دریافت وبازیافت سے نکال کر سماجی زندگی سے استوار کیا۔ انھوں نے سرسید کی عقلیت پسندی کو آگے بڑھایا اور سائنسی شعور کو بیدار کیا۔

ترقی پسند تحریک کے ردِ عمل میں "حلقہ اربابِ ذوق" کا قیام ۱۹۳۹ء کو عمل میں آیا۔ دراصل یہ لوگ فرانسیسی مفکر سارتر (۱۹۰۵ء-۱۹۸۰ء) سے متاثر ہیں۔ مغرب میں بھی یہ نام ترقی پسندوں کے زوال کی علامت ہے۔ اُردو شعرا نے اس سے متاثر ہو کر ترقی پسندوں کی مقصدیت پر خاصی تنقید کی اور ادب برائے زندگی کے بجائے ادب برائے ادب کی آواز بلند کی۔ انھوں نے ادب میں مواد کے بجائے اسلوب اور تکنیک کو اہمیت دی۔ ان شعرا نے تخلیق کے ساتھ تنقید کو بھی فروغ دیا اور ترقی پسندوں کے بیانیے کو یکسر مسترد کرکے داخلی اور خارجی امتزاج پیش کیا۔ انسان کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کیا۔ بعد ازاں اس تحریک کے باقاعدہ اغراض ومقاصد تعین کیے گئے۔ یہ تحریک اور اس سے وابستہ غیر سیاسی تھے جب کہ ترقی پسند کو سیاسی نہ بھی کہا جائے تو بھی اس سے وابستہ سیاسی بیانیے سے گہری وابستگی رکھتے تھے، ان دونوں تحریکوں میں بنیادی فرق یہی ہے۔ اس تحریک نے انسان کی داخلی طرفوں کی بازیافت کی سعی کی۔ انھوں نے سائنس اور عقلیت کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ انھوں نے مغربی رجحانوں کو اردو ادب میں رواج دیا، وجودیت اور علامتیت ایسے رجحانوں سے روشناس کروایا۔ اس تحریک کے ضمن میں میرا جی، ن م راشد، یوسف ظفر اور قیوم نظر کی حیثیت نمایاں ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تحریکی اعتبار سے یہ اُردو نظم کی دوسری باقاعدہ تحریک ہے،اس سے پہلے انجمن پنجاب مکمل تحریک وادارہ کے طور پر کام کر رہی تھی۔اس دور سے اُردو میں باقاعدہ تحریکیں جنم لیتی ہیں۔ جن میں "ترقی پسند" تحریک اہم ہے۔ جس نے باقاعدہ منشور و دستور جاری کیے۔اس کے زیر اثر اُردو نظم حقیقت پسندی کا ایک نیا دور دیکھتی ہے۔جہاں جوشؔ وفیضؔ ایسے انقلابی نظم میں رومان کی پر تیں سماجی بربریت پہ کھولتے ہیں۔دراصل ترقی پسند ادب اور زندگی کے دھارے کو متوازن رکھنے کے قائل تھے، انھوں نے ادب کو زندگی کی عصری تقاضوں سے عبارت کیا۔تاہم تحریکی مقاصد کے لیے نظمیں بھی کہی گئیں لیکن ترقی پسندوں کا باغیانہ اور انقلابی لہجہ زیادہ دیر نہ قائم رہ سکااور اس کی ضد میں کچھ ادبا متحرک ہوئے۔ تاہم حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک کا آغاز ہوا۔اس تحریک کے بھی باقاعدہ اغراض و مقاصد طے کیے گئے۔ان کے اغراض و مقاصد ہر صورت ترقی پسندوں سے مختلف تھے۔اس تحریک نے اُردو نظم کو واقعتاً مغربی نظم کے مقابل لانے کی سعی کی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔اُردو نظم کو داخلی قوتوں اور وجودی راستوں سے آشنا کیا۔جس سے مغربی رجحانات نے اُردو نظم میں تیزی سے سرایت کرنا شروع کی۔ان شعرا کے ہاں علامتی اظہار ملتا ہے؛حسّیاتی اور تخیلاتی اظہار کے لیے نئے سانچے، تجربات کا اظہار تمثالوں میں ملتا ہے؛انفرادی تخیلات پر زور کے نتیجے میں شخصی واردات کا اظہار نمایاں ملتا ہے۔ان میں میرؔاجی اور راشؔد انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔میراجی نے اظہار کے نئے راستے تلاش کیے۔انھوں نے اَن کہی سچائیوں،باطنی کیفیتوں اور نفسیاتی الجھنوں کا اظہار علامتی پیرائے میں کیا۔ راشدنے نئے اسلوب کورواج دیا۔نظم میں فنی وفکری حوالے سے نئے تجربات پیش کیے۔ان کے ہاں علامت اور ابہام کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔مختصر یہ کہ تحریکوں کے زیرِ اُردو نظم نے خود کو مکمل طور واضح کرتے ہیں۔فنی حوالوں سے اب تک اُردو نظم پابند،معرا اور آزاد کے تجربات کر چکی تھی۔

۱۹۶۰ء کے بعد اُردو نظم مکمل طور پر تحریکی پابندیوں سے آزاد ہوئی اور اپنا خود کا سفر کرنے لگی۔نظم کو تحریکی سرپرستی سے الگ کر کے دیکھا جانے لگا۔اس دور میں نظم اپنے لیے خود منشور اور دستور طے کرتی ہے۔روایتی فکر وفن سے نکل کر خود مختاریت کی حامل ہوتی ہے۔ہر نظم گو اپنی انفرادی وسعت کی بنا پر روایت اور شعریت قائم کرتا ہے۔اس دور تک نظم کی تنقید بھی خوب رواج پا گئی تھی،جس نے نظم کو ٹھہرنے نہیں دیا بلکہ مغربی نظم کے مقابل لا کھڑا کیا۔اس دور کی نظم کے لیے ایک نئی اصطلاح "جدید نظم" کی وضع کی گئی۔جدید نظم کے ضمن میں ذیلی بحث لازم ہے۔

جدید نظم—مفہوم اور روایت:

جدید کے لیے انگریزی میں Modern کا لفظ مستعمل ہے۔جدت کا تحریکی عنصر اُردو ادب میں انگریزی ادب سے آیا ہے،جہاں بہ طور ادبی تحریک کے یہ اصطلاح بیسویں صدی عیسوی میں رواج پاتی ہے۔اس کے پس منظر میں سائنسی انکشافات تھے جس نے انسان اور کائنات پر سوال اٹھائے اور انھیں نئے سرے سے سمجھنا شروع کیا۔انسان نے نئے ذہنی رویے سے عقلی سائنسی رویے اور مذہبی روایات سے انحراف اور منطقی مضمرات کو رواج دیا۔دراصل جدیدیت باقاعدہ تحریک نہیں،بلکہ اس کے پس منظر میں موجود سائنسی،سماجی و معاشرتی،مذہبی و منطقی رجحانات کا مجموعہ،جدید رویے کو جنم دیتا ہے۔اس سے مراد وہ فکری رویے ہیں جو نئے فکری وفنی رجحانات کا ساتھ دیتے ہیں۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں:

"فلسفہ جدیدیت کے تین بنیادی ستون ہیں:عقلیت،داخلیت اور خود مختاریت۔"(۲۳)

تاہم جدید رویہ انسان کو عقلی منطق کی بنا پر تمام روایتی،مذہبی اعتقادات،تہذیبی و معاشرتی رواجوں میں آزادی فراہم کرتا ہے۔انسانی فکر جدیدیت کے زیرِ اثر اپنی ذات اور عقل پر کامل انحصار کرتی ہے۔

تاہم یہ لفظ جب نظم کے ساتھ آتا ہے تو نظم کی ایک نئی نوع کو جنم دیتا ہے۔اس سے نظم کے ایک نئے اور بھرپور دور کا درازہ کھلتا ہے اور نظم صنفی اعتبار سے اپنے فن اور فکر میں نئے تجربات اور مشاہدات کو جگہ دیتی ہے۔جدید نظم کا تصور تمام قوانین،آدرشوں اور روایات سے کامل آزادی،انسانی جذبات ،احساسات،خیالات اور ادراک کا غیر منطقی اظہاراور فرد کی وجودی برتری کا بیانیہ پیش کرتی ہے۔ڈاکٹر لیاقت جعفری نے اپنی کتاب "جدید اردو شاعری نظم" میں جدید نظم کی صنفی بحث کے ضمن میں ڈاکٹر خلیق انجم کا قول نقل کیا ہے کہ:

"جدید نظم وہ صنف ہے جو قدیم شعری روایات کے بندھے ٹکے تمام اسالیب اور رجحانات کو ایک طرف رکھ کر عصری اور جدید دور کے میلانات اور خیالات و جذبات و احساسات کو باضابطہ ایک موضوع کی صورت میں discuss کرتی ہے جس میں اسلوب بالکل نیا اور اچھوتا ہو گا۔"(۲۴)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جدید نظم میں داخلی کارروائی کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے، جس سے شاعر تجربے اور مشاہدے کی تصویر اپنے باطنی گہرائیوں سے بیان کرتا ہے۔ جدید نظم کے مفہوم و توضیح کے لیے اُردو کے معاصر ناقدین کی آرا دیکھیے:

ڈاکٹر معین نظامی لکھتے ہیں:

> "محض صنفی یا تکنیکی جدت نہیں، بلکہ موضوع اور اُسلوب کی تازہ کاری، جس میں عصری مسائل کا انعکاس ہو، شعور اور تحت الشعور کی تہ در تہ پرتوں کی ممکنہ ترجمانی ہو، تخلیقی سطح پر اعلیٰ وارفع تجربہ ہو، صرف الفاظ و اصطلاحات کے استعمال سے جدید ظاہر یا ثابت کرنے کی سعی نہ ہو۔"(۲۵)

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں:

> "میری نظر میں بیسویں صدی کی وہ اُردو نظم "جدید" قرار دی جا سکتی ہے، جو تخلیق کار کی ذات (Self) کی خود مختاری کے پختہ تصور کے تحت وجود میں آئی ہو۔ خود مختار ذات ہی روایت سے بغاوت کرتی اور موضوع، اُسلوب اور تکنیک کی سطح پر تجربات کرنے کی اہل ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں "جدید جمالیات" کو وجود میں لانے کی قدرت رکھتی ہو۔"(۲۶)

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں:

> "میرے نزدیک وہ نظم جو خارجی مناظر، فطری پیکروں اور ظاہری موضوعات کے یک رُخ، سپاٹ اور بے رس بیانات سے آگے گزر کر اندر کے موسموں سے ہم کلام ہوئی، وہ جدید نظم ہے۔"(۲۷)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ "جدید نظم کی شعریات اور بیانیہ" میں اظہار کرتے ہیں کہ:

> "جدید نظم کی سب سے بڑی پہچان اس کا ارتکاز ہے، نیز ایجاز، اختصار، تہ داری اور جامعیت۔۔۔ جدید نظم کے لسانی حربے رمزیت، ایمائیت، ایہام، اشارہ کنایہ، مجاز مرسل، استعارہ علامت اور پیکریت ہے۔"(۲۸)

تاہم جدید نظم صنفی حوالوں میں فکری اور فنی تقاضوں میں خود مختاری رکھتی ہے۔ یہاں نظم کی شکل اور روایتی شعور یکسر مختلف نظر آتا ہے۔ خارجی وسیلے سے اس کا وجود داخلی اظہار اور معنویت قائم کرتا ہے۔ اس کا متن خارجی، تاریخی اور سماجی تناظر سے الگ وجود قائم کرتا ہے، جس میں اسلوبی حربے موضوع سے مکمل طور پر مربوط ہوتے ہیں۔ جدید نظم روایتی موضوعات سے اجتناب کرتی ہے اور موضوعی و معروضی اعتبار سے خود مختار ہوتی ہے۔ جدید نظم علامتی و استعارتی اظہار ہے۔ جہاں علامت تحرک اور معنوی ارتقا لیے ہوئے ہے۔ جدید نظم میں علامت (Symbol) اپنے نشان (Sign) بدلتی ہے جس سے معنوی وسعت پیدا ہوتی ہے؛ جب کہ روایتی نظم میں علامت کثیر المعانیت نہیں رکھتی بلکہ نشان (sign) قائم کرتی ہے، جس سے معانی میں انجماد پیدا ہوتا ہے۔

اُردو میں جدید نظم کے شعرا کے انتخاب میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ پہلے کے محققین و ناقدین کی نظر میں جدید نظم کا آغاز نو آبادیاتی تسلط سے شروع ہوتا ہے اور آزادؔ اور اُن کے ہم عصر جدید شاعر کہلاتے ہیں۔ درج بالا بحث کے نتیجے میں آزادؔ جدید شاعر نہیں بلکہ انگریزی رومانویت کو اُردو میں تشکیل دینے کے روح رواں ہیں، جو اقبالؔ تک قائم رہتی ہے۔ فضیل جعفری نے جدید نظم کے شعرا کی فہرست کے متعلق لکھا ہے:

> "عمیق حنفی مرحوم نے جدید شاعروں کی جو فہرست مرتب کی اس میں خود ان کے علاوہ میراجی، راشد، اختر الایمان، مختار صدیقی، مجید امجد، منیر نیازی، وزیر آغا، خلیل الرحمٰن اعظمی، منیب الرحمٰن، محمد علوی، شہریار اور کمال پاشی شامل تھے۔۔۔ احتشام صاحب نے۔۔۔ جدید شعراء کی جو متبادل فہرست پیش کی ان میں متذکرہ بالا شعراء کے علاوہ اقبال، جوش، فراق، آنند نرائن ملا، مخدوم محی الدین، سردار جعفری، احمد ندیم قاسمی، روش صدیقی، وحید اختر باقر مہدی، فارغ بخاری، محمود ایاز اور شہاب جعفری بھی شامل تھے۔"(۲۹)

یہاں عمیق حنفی اور احتشام حسین کے انتخاب میں اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ اختلاف جدید نظم کا نہیں بلکہ اس کے دور کے تعین کا ہے۔ احتشام صاحب کے انتخاب میں وزن اس لیے نہیں کہ اقبال کی نظم روایتی فن اور فکری اعتبار سے اپنی الگ شناخت رکھتی ہے اور درج بالا جدید نظم کی تعریف و تحدید پر پورا نہیں اترتی۔ اسی طرح جوش ایک انقلابی شاعر تھے جن کے سبب اُردو میں ترقی پسندانہ رویہ رواج پایا۔ "اوراق" کے جدید نظم نمبر میں بھی جدید نظم کے انتخاب کی فہرست اقبال سے ترتیب پاتی ہے۔ اس شمارے میں درج ذیل شعرا کا انتخاب شامل ہے:

"اقبال، میراجی، ن م راشد، تصدق حسین، فیض احمد فیض، مجید امجد، یوسف ظفر، مختار صدیقی، احمد ندیم قاسمی، قیوم نظر، معین احسن جذبی، ظہیر کاشمیری، ساحر لدھیانوی، منیب الرحمٰن، اختر الایمان، جگن ناتھ آزاد، تخت سنگھ، سعید احمد اعجاز، انجم رومانی، مخمور جالندھری، مسعود پرویز، سلام مچھلی شہری، محمد صفدر، سید فیضی، الطاف گوہر، سید ضیاء جالندھری، بلراج کومل، عارف عبدالمتین، منیر نیازی، جیلانی کامران، غلام جیلانی اصغر، ادا بدایونی، خلیل الرحمٰن اعظمی، عبدالعزیز خالد، جعفر طاہر، حمایت علی شاعر، شاذ تمکنت، ظہور نظر، کمار پاشی، شہزاد احمد، عرش صدیقی، افتخار جالب، محمد علوی، اعجاز فاروقی، ظفر اقبال، کرشن ادیب، حسن طاہر اور وزیر آغا"(۳۰)

وزیر آغا کا یہ انتخاب دراصل جدید نظم کے آغاز و ارتقا اور روایت کا انتخاب ہے۔ جہاں تک اقبال کا تعلق ہے خود وزیر آغا نے اسی شمارے میں "اقبال- جدید نظم کا پیش رو"(۳۱) مضمون لکھ کر جدید نظم کے حوالہ سے ان کی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ جدید نظم کُلّی مغربی ادب کی دین ہے۔ اس کے فن و فکری زاویے مغربی نظم ہی طے کرے گی، لیکن اُردو میں نظم کی روایت عروضی پابندیوں میں جکڑی چلی آرہی ہے اور جدید تک پہنچتے ہوئے بھی یہ کسی نہ کسی طور عروضی سامان لیے ہوئے ہے۔ اُردو جدید نظم عروضی پابندیوں سے مکمل طور آزاد نہیں، یہاں شعرا کے ہاں عروضی نظام خود مختاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ نظم کی شکل موضوع اور لہجے سے ترتیب پاتی ہے اور روایتی اشکال سے گریز کرتی ہے۔

علامتیت ان نظم نگاروں کی خاصیت تھی۔ اس سلسلے کے پہلے شاعر میراجی تھے۔ انھوں نے انگریزی اور فرانسیسی شعرا کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے فرانسیسی شاعر بودلیئر اور میلارمے پر مضامین بھی لکھے، جو اردو شعرا کے لیے فرانسیسی علامتیت سے شناسائی کا سبب بنے۔ جس نے اُردو نظم کے دائرے کو مزید وسعت عطا کی۔ علامت نگاری کے حوالے سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"اب آنکھوں میں جنبش نہ چہرے پر کوئی تبسم نہ تیوری
فقط کان سنتے چلے جارہے ہیں
یہ اک گلستاں ہے، ہوا لہلاتی ہے، کلیاں چٹکتی ہیں
غنچے مہکتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں کھل کھل کے مرجھا کے گرتے ہیں
اک فرشِ مخمل بناتے ہیں جس پر
مری آرزوؤں کی پریاں عجب آن سے یوں رواں ہیں کہ جیسے گلستاں ہی اک آئنہ ہے
اس آئنے سے ہر ایک شکل نکھری، سنور کر مٹی اور مٹ ہی گئی، پھر نہ ابھری"
(سمندر کا بلاوا- میراجی)(۳۲)

"جہاں زاد بغداد کی خوب گوں رات
وہ رُودِ دجلہ کا ساحل
وہ کشتی، وہ ملاح کی بند آنکھیں
کسی خستہ جاں رنج بر کوزہ گر کے لیے

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ایک ہی رات وہ کہر رہا تھی
کہ جس سے ابھی تک ہے پیوست اس کا وجود
اس کی جاں، اس کا پیکر
مگر ایک ہی رات کا ذوق دریا کی وہ لہر نکلا
حسن کوزہ گر جس میں ڈوبا تو اُبھرا نہیں ہے"

(حسن کوزہ گر-ن م راشد)[۳۳]

"وہ برگد کا اک پیڑ تھی
جس کے پتوں میں چھپ کر
مہکتی ہوئی دودھیا شاخ کو تھام کر
ہم نے میٹھی سی راحت کا انعام پایا
وہ پتوں کے پنکھوں سے
شاخوں کی لوری سے ہم کو سلاتی رہی
مسکراتی رہی"

(ماں-وزیر آغا)[۳۴]

مجید امجد کسی تحریک سے وابستہ نہیں رہے۔ ان سب سے الگ رہ کر نظم میں وہ وسعت پیدا کی کہ اقبال کے بعد نظم میں مجید امجد کا نام آسمانِ ادب پر چمک رہا ہے۔ انھوں نے نظم میں پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے اور فلسفے کو سہل لہجے اور الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان کا ڈکشن ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا امین ہے۔ انھوں نے ساری عمر گم نامی میں گزاری، وفات کے بعد پہلا شعری مجموعہ "شب رفتہ" منظر عام پر آیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ان کے کلام کو یکجا کر کے "کلیاتِ مجید امجد" کے نام سے مرتب کیا۔ ان کی نظموں میں "بندا"، "پنواڑی"، "امروز"، "ایک کوہستانی سفر کے دوران میں"، "توسیع شہر" اور "کنواں" ان کی فکر و فن کے دھارے کو سمجھنے کے لیے خاص ہیں۔ ان کی نظموں کا دور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۷۳ء تک ہے۔ انھوں نے نظم کو جہاں فکری وسعت عطا کی وہیں آزاد، معرا کی شکلوں سے نکل کر نئی اشکال کے اعلیٰ نظموں کے نمونے چھوڑے ہیں۔ "امروز" سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"ابد کے سمندر کی اک موج جس پر مری زندگی کا کنول تیرتا ہے
کسی اَن سنی دائمی راگنی کو کوئی تان، آزردہ، آوارہ، برباد
جو دم بھر کو آ کر مری الجھی الجھی سی سانسوں کے سنگیت میں ڈھل گئی ہے
زمانے کی پھیلی ہوئی بے کراں وسعتوں میں، دو چار لمحوں کی معیاد
طلوع و غروب، مہ و مہر کے جاودانی تسلسل کی دو چار کڑیاں
یہ سب تھر تھراتے اجالوں کا روماں، یہ کچھ سنسناتے اندھیروں کا قصہ
یہ جو کچھ کہ میرے زمانے میں ہے اور یہ جو کچھ کہ اس کے زمانے میں ہوں
یہی میرا حصہ ازل سے ابد کے خزانوں سے ہے، بس یہی میرا حصہ"[۳۵]

جدید نظم میں انفرادی تجربات پر زور کے نتیجے میں شخصی واردات کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد کی نظم نے جدیدیت کے اس پہلو سے پیش رفت کی اور جزو کے بجائے کُل کے تصور پر زور دیا گیا۔ اس دور میں صحافتی، ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل دنیا نے نظم کے کینوس کو وسیع تر کر دیا تھا۔ نظم کے بیانیہ اور کلامیہ میں

واضح تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ دراصل اس دور کی نظم نظریے سے خالی اور تجربے، واقعے اور کلامیے کو نئے انداز سے بیان کر رہی تھی۔ اس دور کے نظم نگار محض واقعات تحریر نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کا حسی تجربہ اور منطق کو بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ منطق نہیں رہتی۔ ہو چکے واقعات کو ہی بیان نہیں کرتے بلکہ خود بھی ایسے واقعات تراشنے کی قابلیت رکھتے ہیں کہ وہ حقیقت نظر آتے ہیں۔ نظم کسی مقتدرہ نظریے اور مقصد کی بھینٹ نہیں چڑھتی بلکہ آزادانہ اپنی دنیا قائم کرتی ہے۔

جدید نظم کے اس منظر نامہ میں ایک نام توصیف تبسم کا بھی ہے، ان کی نظم میں سماجی حقیقت پسندی کے ساتھ جدید شعور کا متزاج پایا جاتا ہے۔ اُردو نظم اس عہد تک جدید حوالوں کی وسعت کے ساتھ اپنے اخلاقی اور تدریسی مضامین کو بھی قائم رکھتی ہے۔ اس روایت میں بھی جدت کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔ نظم میں اخلاقی مضامین کی نئی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ حمد و نعت، سلام و منقبت کے مجموعے منظر عام پر آئے۔ شعرا نے جدید نظم کے مضامین اور اخلاقی مضامین میں مہمیز پیدا کی۔ جدید نظم کے مضامین نے وجودی، سائنسی تھیوریز سے آیندہ آنے والی کی خود مختاری کی وسعت پیدا کی۔ نظم کے اس وسیع کینوس پر، بہت کم شعرا ایسے رہے ہیں جن کی آواز روایت و درایت سے اپنا نقش اور معیار قائم کرتی ہے۔ ہیئتی کی تمنا فرد کی سطح پر نہیں بلکہ پوری انسانی صورت حال کے حوالے سے ان کی شاعری میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ مظاہر کائنات کو بھی وہ اس کا حصہ تصور کرتے ہیں یوں ان کی اصولِ حیات کا ابدی استعارہ بنتی نظر آتی ہے۔ اس منظر میں نظم نگار کا خود کو تلاشنے اور خود پر یقین اور کامل اختیار کا غیر حقیقت پسندانہ رویہ سامنے آتا ہے۔ جو فرد کی آزادی اور خود مختاری میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کامل یقین فرد میں انانیت سے الگ ہو کر ممکن نہیں ہو سکتا۔ توصیف تبسّم کی نظم "تناظر" میں ملاحظہ کیجیے کہ یہ صورت حال خود کو فطرت کے ساتھ متحد کرتی نظر آتی ہے۔

ارد گرد، چاروں سمت
جیسے میں ہی بکھرا ہوں
جیسے جسم پر میرے
موسموں کی یورش ہو
کوہ میرا چہرا ہے
ندیاں میرے بازو
جھیل میری آنکھیں ہیں
سیر کے تناظر میں
خود کو دیکھتا ہوں میں (۳۶)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"وہ ایک ایسا کُلی وژن رکھتے ہیں، جو بہ یک وقت معلوم اور نامعلوم، حس اور ماورائے حس، دونوں کو محیط کرتا ہے۔ کلی وژن سے نمو پانے والا ادب بدلتی دنیا کا کلی فہم ہی نہیں دیتا، تبدیلی کی جہت کا وسیع انسانی تناظر میں محاکمہ بھی پیش کرتا ہے۔"(۳۷)

نظم کے اس منظر نامے پر کئی معروف نام سامنے آتے ہیں۔ ناصر عباس نیر نے اس ضمن میں نظم کے حوالے سے

"وزیر آغا، نصیر احمد ناصر، علی محمو فرشی، رفیق سندیلوی، وحید احمد، یاسمین حمید، عامر عبداللہ، ذی شان ساحل، قاسم یعقوب"(۳۸)

کے نام درج کیے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ کی اس ترتیب میں جدید نظم کی مابعد جدید طرفیں بھی شامل ہو جاتی ہیں تاہم اس سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ وزیر آغا جدید شاعر تھے اور بعد کے دوسرے شامل شعرا مابعد جدید ثقافتی، علامتی اور لسانی سازشوں میں کار فرما ہوئے فضیل جعفری نے اسی جہت کے بھارتی نظم گو شعرا میں

"شہریار، شفیق فاطمہ شعریٰ، کمار پاشی، بمل کرشن اشک، ندا فاضلی، عادل منصوری، شمس الرحمٰن فاروقی، زبیر رضوی، صادق اور عتیق اللہ"(۳۹)

کا ذکر کیا ہے۔ ان کی نظموں سے چند مثالیں دیکھیے:

اے دھندلکوں کی تقدیر بر حق!
بتا تجھ کو کیا نذ دوں
میرے نغمہ کو دھن ہے کہ وہ نرم و شیریں ہو
سر مست ہو ادلبری کی اداؤں سے معمور ہو
آگہی منتظر ہے، اسرافیل کے صوٗر کی
سوچتی ہو تجلی خرابوں پہ کتنا ستم ڈھائے گی
روشنی ایک نغمہ بنے گی کہ خاموشیوں میں بدل جائے گا
میں ابھرتے ہوئے مہر کا راگ بننے چلی ہوں مگر
نیم شب کے دھندلکوں کی پر سوز گہرائی بھی
مجھ کو یاد آئے گی

("دھندلکے"۔ شفیق فاطمہ شعریٰ)[۴۰]

"نیا دیوتا"

وہ جب تک جیا
دوسروں کو بے وقوف بناتا رہا
رشوت
بے ایمانی
جھوٹ
ہر طریقہ سے دولت کماتا رہا
اور اپنے جیتے جی
اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کے
انھیں باعزت شہری بنا کے
سکون کے ساتھ مر گیا
کیا ضروری ہے
ہم ہر بار اُسی کو دیوتا بنا کر پُوجیں
جس میں کوئی بھی انسانی برائی نہ ہو

(ندا فاضلی)[۴۱]

"آنکھ میں رُکا ہوا انتظار"

جھیل کی شفاف سطحِ آب پر
اک کنول کا پھول اپنی آنکھ رکھے
آسماں کی وسعتوں میں
گمشدہ مرغابیوں کا منتظر
اب کے اس ڈائن ہوا نے
جانے کیا جادو کیا ہے
تشنہ پر مرغابیوں کے ذہن سے
جھیل کا رستہ اُترتا جارہا ہے!

(علی محمد فرشی)[۴۲]

ان جدید نظم گوؤں نے نظم میں استعاراتی، علامتی اور تمثال کاری کے بہترین نمونے چھوڑے ہیں۔ درج بالا شعرا کے ہاں نظم کی ہیئت اور وجودیاتی سطح کی تبدیلیاں ملتی ہیں۔ جن کے محرکات سیاسی، ثقافتی، سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں سے وابستہ ہیں۔ اس دور میں نظم علامت، تمثال، ابہام، تجریدیت، تلازمہ، احساس، خیال جذبہ اور متنوع معنوی جہات سے ہم آہنگ ایک منفرد تخلیقی تجربہ پیش کرتی ہے۔ اُردو جدید نظم عصرِ حاضر میں ہیئتی اعتبار سے انگریزی نظم کے برابر قد پر موجود ہے۔ جدید اُردو نظم نے وجودی، علامتی، تہ داری، ایجاز واختصار، عصری مسائل، شعور اور تحت الشعور اور لسانی حربوں کو اپنے دامن میں سجایا ہے۔ جدید نظم کی روایت تقلیدی نہیں بلکہ تخلیق کار کی ذاتی خود مختاری کی روایت پر انحصار کرتی ہے۔ جہاں خارج کو داخلی قوتوں کی مدد سے تخیلی و جذباتی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔ جدید نظم موضوع اعتبار سے بھی محدودیت کی حامل نہیں، بلکہ فلسفیانہ، حکیمانہ، نفسیاتی، رومانی، جمالی، سوانحی اور سماجی تناظر کی حامل ہے۔ جدید نظم عروضی اعتبار سے معرا، آزاد اور نثم کی شکلیں رکھتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا: "نظم جدید کی کروٹیں" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱
۲۔ احتشام حسین: (مضمون) "اردو نظم کا تاریخی وفنی ارتقا" مشمولہ "اردو نظم پر تنقیدی نظر" (مرتبہ) نذیر احمد ملک، ا۔ن، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۴۸
۳۔ امیر حسن نورانی: "حالاتِ زندگی اور انتخابِ کلام: نظیر اکبر آبادی" (ناشر) رام کمار بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۵۷ء، ص ۷
۴۔ ایضاً، ص ۶
۵۔ جلال الدین احمد جعفری: (مقدمہ) "انتخاب کلیات نظیر اکبر آبادی" (ناشر) مطبع انوار احمدی، الہ آباد، س ن، ص ۱۹۲
۶۔ فضلِ حق: "اردو نظم کا تحقیقی جائزہ" (پی ایچ ڈی اردو) شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، س ن، ص ۱۳۹
۷۔ ایضاً
۸۔ ڈاکٹر انور سدید: "اردو ادب کی تحریکیں" انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۱۵ء، اشاعت نہم، ص ۳۳۳
۹۔ Ram babu Saksena:"History of a literature"Ram Narin Book Seller, India,1927, P 220
۱۰۔ ڈاکٹر انور سدید: "اردو ادب کی تحریکیں"، ص ۳۴۰
۱۱۔ الطاف حسین حالی: "کلیات حالی" (ناشر) جدید کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۰ء، ص ۴۱
۱۲۔ خاطر غزنوی: "جدید اردو ادب" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۷
۱۳۔ حکیم نعیم الدین زبیری (مرتب): "بچوں کے اسماعیل میرٹھی" مکتبہ پیام تعلیم، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۴۹

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۱۴۔ خلیل الرحمٰن اعظمی (مضمون) "اردو نظم کا تشکیلی دور" مشمولہ "نئی نظم - تجزیہ و انتخاب" (مرتبہ) زبیر رضوی، مکتبہ ذہن جدید، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵

۱۵۔ ڈاکٹر انور سدید: "اردو ادب کی تحریکیں"، ص ۳۹۶

۱۶۔ محمد اقبال: "بانگ درا" کتب خانہ حمیدیہ، دہلی، اشاعت چہارم، ۱۹۹۰ء، ص ۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۱۸۔ ڈاکٹر مظہر حامد: (مضمون) "جدید اردو نظم اور فکرِ اقبال" مشمولہ "دس بڑے نظم نگار" (مرتبہ) ڈاکٹر اختر ہاشمی، رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۷

۱۹۔ ڈاکٹر عنوان چشتی: "اردو نظم میں ہیئت کے تجربات" انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۷۵، ص ۵۷، ۵۸

۲۰۔ ڈاکٹر انور سدید: "اردو ادب کی تحریکیں"، ص ۴۶۹

۲۱۔ ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی (مرتب): "جوش کی انقلابی نظمیں" مکتبہ دین و ادب، لکھنؤ، ۱۹۸۲، ص ۹۸

۲۲۔ فیض احمد فیض: "نسخہ ہائے وفا" مکتبہ کارواں، لاہور، س۔ن، ص ۲۷

۲۳۔ ناصر عباس نیّر: "جدید اور مابعد جدید تنقید" انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۸

۲۴۔ خلیق انجم: (قول) "جدید اردو شاعری، نظم" از ڈاکٹر لیاقت جعفری (ناشر) ایم۔ آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۴

۲۵۔ ڈاکٹر معین نظامی: بنام محسن عباس محررہ ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۹ء، مشمولہ "جدید اردو نظم کے تناظر میں وزیر آغا کی نظم نگاری" (پی۔ ایچ ڈی، اردو) شعبہ اردو زبان و ادب، نیشنل یونیورسٹی آف، اڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۶

۲۶۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر بنام محسن عباس محررہ ۷ ستمبر ۲۰۰۹ء، مشمولہ "جدید اردو نظم کے تناظر میں وزیر آغا کی نظم نگاری" (پی۔ ایچ ڈی، اردو)، ص ۶

۲۷۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد بنام محسن عباس محررہ ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۹ء، مشمولہ "جدید اردو نظم کے تناظر میں وزیر آغا کی نظم نگاری" (پی۔ ایچ ڈی، اردو)، ص ۷

۲۸۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (مضمون): "جدید نظم کی شعریات اور بیانیہ" مشمولہ "اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد" اردو اکادمی، دہلی، اشاعت تیسری، ۲۰۱۳ء، ص ۲۵

۲۹۔ فضیل جعفری: (مضمون) "جدید نظم کا موجودہ منظر نامہ" مشمولہ "اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد"، ص ۷

۳۰۔ ڈاکٹر وزیر آغا (مدیر): "اوراق" لاہور، جولائی، اگست ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۔۱۱

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۳۲۔ میراجی: "کلیات میراجی" (مرتبہ) ڈاکٹر جمیل جالبی، اردو مرکز، لندن، ۱۹۸۸ء، ص ۳۸۷

۳۳۔ ن۔م راشد: "کلیات راشد" (مرتبہ) ماورا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۴۴۱

۳۴۔ وزیر آغا: "دن کا زرد پہاڑ" جدید ناشرین، لاہور ۱۹۶۹ء، ص ۴۱

۳۵۔ مجید امجد: "کلیات مجید امجد" (مرتبہ) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ماورا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۵

۳۶۔ توصیف تبسم: "آسماں تہ آب" فضلی بک سپر مارکیٹ، کراچی، ۲۰۱۹ء، ص ۱۰۴

۳۷۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر: "لسانیات اور تنقید" پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۳

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ فضیل جعفری: (مضمون) "جدید نظم کا موجودہ منظر نامہ"، ص ۸

۴۰۔ شفیق فاطمہ شعریٰ: "گلہ صفورہ" مکتبہ جامعہ دہلی، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص ۶۸

۴۱۔ ندا فاضلی: "کھویا ہوا سا کچھ" معیار پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۶

۴۲۔ علی محمد فرشی: "تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے" لیو بکس، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۶۱

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

Roman Transliteration of References

1. Dr. Wazir Agha: "Nazm-e-Jadeed Ki Karwaten", Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2007, p. 21.
2. Ehtesham Hussain: (Article) "Urdu Nazm Ka Tareekhi Wa Fanni Irtiqa" Moshmoola "Urdu Nazm Par Tanqeedi Nazar" (Editor) Nazeer Ahmad Malik, A.N., Lahore, 1996, p. 48.
3. Ameer Hassan Noorani: "Halaat-e-Zindagi Wa Intikhab-e-Kalam: Nazeer Akbarabadi" (Publisher) Ram Kumar Book Depot, Lucknow, 1957, p. 7.
4. Ibid, p. 6.
5. Jalal-ud-Din Ahmad Jafri: (Muqaddama) "Intikhab Kulliyat-e-Nazeer Akbarabadi" (Publisher) Matba Anwaar-e-Ahmadi, Allahabad, S.N., p. 192.
6. Fazal-ul-Haq: "Urdu Nazm Ka Tahqeeqee Jaiza" (PhD Urdu Dissertation), Shoba-e-Urdu, Sindh University, Jamshoro, S.N., p. 139.
7. Ibid.
8. Dr. Anwar Sadeed: "Urdu Adab Ki Tehreeken", Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, Karachi, 2015, 9th Edition, p. 333.
9. Ram Babu Saksena: "History of Urdu Literature", Ram Narain Book Seller, India, 1927, p. 220.
10. Dr. Anwar Sadeed: "Urdu Adab Ki Tehreeken", p. 340.
11. Altaf Hussain Hali: "Kulliyat-e-Hali" (Publisher) Jadeed Kitab Ghar, Delhi,1960, p. 41.
12. Khater Ghaznavi: "Jadeed Urdu Adab", Sang-e-Meel Publications, Lahore,1985,p. 147.
13. Hakim Naeem-ud-Din Zubairi (Editor): "Bachon Ke Ismail Merathi", Maktaba Payam-e-Taleem, New Delhi, 1991, p. 49.
14. Khalil-ur-Rehman Azmi: (Article) "Urdu Nazm Ka Tashkeeli Daur" Moshmoola "Nayi Nazm - Tajziya Wa Intikhab" (Editor) Zubair Rizvi, Maktaba Zehn-e-Jadeed, Delhi, 2007, p. 15.
15. Dr. Anwar Sadeed: "Urdu Adab Ki Tehreeken", p. 396.
16. Muhammad Iqbal:"Bang-e-Dara",Kutub Khana Hameedia,Delhi,4th Edition,1990, p.8.
17. Ibid, p. 119.
18. Dr. Mazhar Hamid: (Article) "Jadeed Urdu Nazm Aur Fikr-e-Iqbal" Moshmoola "Das Bare Nazm Nigar" (Editor) Dr. Akhtar Hashmi, Rang-e-Adab Publications, Karachi, 2013, p. 17.
19. Dr. Unwan Chishti: "Urdu Nazm Mein Hai'at Ke Tajribaat", Anjuman Taraqqi-e-Urdu, New Delhi, 1975, pp. 57-58.
20. Dr. Anwar Sadeed: "Urdu Adab Ki Tehreeken", p. 469.
21. Dr. Ismat Malehabadi (Editor): "Josh Ki Inqilabi Nazmen", Maktaba Deen-o-Adab, Lucknow, 1982, p. 98.
22. Faiz Ahmad Faiz: "Nuskha Haye Wafa", Maktaba Karwan, Lahore, S.N., p. 72.
23. Nasir Abbas Nayyar: "Jadeed Aur Maba'ad Jadeed Tanqeed", Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, Karachi, 2004, p. 28.
24. Khaleeq Anjum: (Quote) "Jadeed Urdu Shayari: Nazm" by Dr. Liaquat Jafri (Publisher) M.R. Publications, New Delhi, 2010, p. 14.
25. Dr. Mueen Nizami: Letter to Mohsin Abbas dated October 25, 2009, Moshmoola "Jadeed Urdu Nazm Ke Tanazur Mein Wazir Agha Ki Nazm Nigari" (PhD Dissertation, Urdu), Shoba-e-Urdu, National University of Modern Languages (NUML), Islamabad, 2009, p. 6.

26. Dr. Nasir Abbas Nayyar: Letter to Mohsin Abbas dated September 7, 2009, Moshmoola "Jadeed Urdu Nazm Ke Tanazur Mein Wazir Agha Ki Nazm Nigari" (PhD Dissertation, Urdu), p. 6.
27. Dr. Arshad Mahmood Nashad: Letter to Mohsin Abbas dated October 23, 2009, Moshmoola "Jadeed Urdu Nazm Ke Tanazur Mein Wazir Agha Ki Nazm Nigari" (PhD Dissertation, Urdu), p. 7.
28. Dr. Gopi Chand Narang: (Article) "Jadeed Nazm Ki Poetics Aur Bayaniya" Moshmoola "Urdu Nazm 1960 Ke Baad",Urdu Academy,Delhi,3rd Edition,2013,p. 25.
29. Fazeel Jafri: (Article) "Jadeed Nazm Ka Maujooda Manzar Nama" Moshmoola "Urdu Nazm 1960 Ke Baad", p. 7.
30. Dr. Wazir Agha (Editor): "Auraq", Lahore, July-August 1977, pp. 10-11.
31. Ibid, p. 104.
32. Meera Ji: "Kulliyat-e-Meera Ji" (Editor) Dr. Jameel Jalibi, Urdu Markaz, London, 1988, p. 738.
33. N.M. Rashed: "Kulliyat-e-Rashed" (Editor) Mavra Publications, Lahore, 1991, p. 441.
34. Wazir Agha: "Din Ka Zard Pahar", Jadeed Nashireen, Lahore, 1969, p. 41.
35. Majeed Amjad: "Kulliyat-e-Majeed Amjad" (Editor) Dr. Khawaja Muhammad Zakariya, Mavra Publications, Lahore, 1991, p. 185.
36. Tauseef Tabassum: "Asman Th e Ab", Fazli Book Super Martket, Karachi, 2019.P. 104
37. Dr. Nasir Abbas Nayyar: "Linsaniyat Aur Tanqeed", Poorab Academy, Islamabad, 2009, p. 123.
38. Ibid.
39. Fazeel Jafri: (Article) "Jadeed Nazm Ka Maujooda Manzar Nama", p. 8.
40. Shafeeq Fatima Sha'ra: "Gila-e-Sufoora", Maktaba Jamia Delhi, New Delhi,1990,p. 68.
41. Nida Fazli: "Khoya Hua Sa Kuch", Mayaar Publications, Delhi, 1996, p. 76.
42. Ali Muhammad Farshi: "Taez Hawa Mein Jangal Mujhe Bulata Hai", Leo Books, Islamabad, 1995, p. 61.